

اردو ناول بخت تحریر : از مہر النساء شاہ میر قسط نمبر ۱۳

اگلی صبح بہت ہی گرم طلوع ہوئی تھی سورج تو جیسے اپنے تمام حساب بے باک کرنے کو تھا ہالے اپنے کمرے میں کھڑی بال برش کر رہی تھی اس نے سفید لمبی قمیض کے ساتھ سفید ہی ٹراوڑ پہن رکھا تھا جبکہ سبز دو پٹہ گلے میں جھول رہا تھا سیاہ آنکھوں میں ہلکا سا کاجل لگا کے پنک لپ ٹنٹ لگا کے وہ یونی جانے کو تیار تھی جب ملازمہ نے اسکو دادا کا پیغام دیا وہ اپنی سنٹی میں اس کا انتظار کر رہے تھے ہالے نے سر ہلا کے ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا اور خود پہ ایک آخری نظر ڈالتی مطمئن کی سنٹی کی جانب بڑھ گئی تھی دادا جان کی سنٹی ہمیشہ کی طرح نفاست سے سیٹ تھی تینوں دیواروں پہ کتابوں کے بڑے بڑے ریکس تھے نہ جانے کہاں کہاں سے یہ کتابیں انہوں نے جمع کی تھیں ان میں سے ایک چوتھائی حصہ ہالے اور سفیر کا دیا ہوا تحفہ تھیں السلام علیکم دادا جان اس نے سلام میں پہل کی تھی و علیکم السلام کیسا ہے میرا بچہ؟ ٹھیک ہوں آپ بتائیں وہ اب بھی دروازے پر ہی کھڑی تھی میں تمہیں دیکھ کے ٹھیک ہو گیا ان کے لہجے میں محبت تھی خالص محبت ہالے کو اپنے رویئے پہ بے اختیار شرمندگی ہوئی تھی لیکن ٹھیٹ بنی کھڑی رہی میرے پاس آکے بیٹھو گی نہیں؟

مجھے کچھ کام ہے دادالیٹ ہو رہی ہوں کہ میرا ذہن مفلوج ہوا جا رہا ہے کہ ایسا بھی کیا ہو گیا کہ تم نے مجھ سے بات تک کرنی چھوڑ دی ہے اور وجہ وہ مہر ماہ وہاج ہے؟ ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا ہالے نے افسوس سے ان کو دیکھا تھا

وہ صرف مہر ماہ وہاج نہیں مہر ماہ نگین بھی ہے دادا جان کبھی تو یہ وہاج نام کا ٹھپہ اس کے نام سے ہٹا کے دیکھیں وہ آپکی نگین کا خون ہے اس کا حق ہے آپ کی محبت پر کیوں کسی کا حق مار رہے ہیں آپ؟ ایک بار بس ایک بار ان کے سر پہ ہاتھ رکھ دیں وہ آپکو مایوس کبھی نہیں کریں گی وہ وہاج نہیں بنیں گی وہ اب ان کے پاس رکھی کرسی پہ آگے بیٹھ گئی تھی چند لمحوں تک وہ کچھ بول نہیں سکے اور جب بولے تو ان کا لہجہ ایک بارے ہوئے انسان جیسا تھا میں اس کو جب بھی دیکھتا ہوں مجھے وہ نگین یاد آتی ہے جس کو میں نے وہاج کی مار کی وجہ سے ہسپتال کے بستر پہ دیکھا تھا اس کے بازوؤں پر نیل تھے ہالے اسکے ہاتھ اتنے کھردرے تھے جیسے کسی مزدور کا ہاتھ ہو اسکی آنکھیں پتہ ہے اسکی آنکھوں میں کتنا کرب تھا وہ بالکل سرخ تھیں جیسے پتہ نہیں کتنی راتوں سے سوئی نہ ہو انکی آواز کانچی تھی انکی آنکھیں نم ہو رہی تھیں لیکن آج شاید وہ بولنا چاہتے تھے اسکی گردن پہ جلنے کا داغ تھا اسکا پورا منہ سوجا ہوا تھا میں نے شاید پہلی بار اس کو اتنے غور سے دیکھا تھا وہ چہرہ نگین کی وہ حالت میری آنکھوں میں حفظ ہو چکی ہے میں اتنے سالوں میں ایک بار بھی اس چہرے کو بھول نہیں پایا وہ مر گئی میں اسکا آخری دیدار بھی نہیں کر

سکا کیا تم میری ازیت سمجھتی ہو؟ انہوں نے دانت پہ دانت جما کے خود کورونے سے باز رکھا ہوا تھا ان کی آنکھوں میں بے پناہ ازیت تھی دادا جان ان سب میں آپ کی کیا قصور؟ وہ انکو اس حالت میں نہیں دیکھ پارہی تھی لیکن اگر آج چپ رہتی تو شاید پھر کبھی نہ بول پاتی میرا کیا قصور ہے اگر مجھے اس پہ پیار نہیں آتا؟ میرا کیا قصور ہے اگر تمہیں دیکھ کے میری روح تک سر شار ہو جاتی ہے اور جب جب اسکو دیکھتا ہوں میرا خون کھولتا ہے مجھے لگتا ہے کسی نے میرے دل پہ پیر رکھ دیا ہو جھے کبھی اس سے نگین کی خوشبو نہیں آئی وہ میرے لئے کچھ نہیں ہے سوائے ایک ازیت کے میں اس کو کیوں دیکھوں جب میں نگین کو آخری بار نہیں دیکھ سکا تو اس کی اولاد کو کیوں دیکھوں ہالے ایک دکھ مجھے نگین کی جدائی نے دیا ہے دوسرا اگر تم دینا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے یوسف سلطان حاضر ہے بتاؤ کیا سزا ہے میری تم سے محبت کرنے کی بولونہ ہالے ایک ہی بار مار دو مجھے؟

وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور یوسف سلطان کے سینے سے لگ گئی تھی اسکی آنکھیں نم ہو گئی تھیں وہ اپنے دادا کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی تھی اگر مہر کے نصیب میں اس کے نانا کی شفقت اور محبت تھی تو وہ اس کو مل جائے گی لیکن وہ اب اپنے دادا جان کو کوئی دکھ نہیں دے گی اس نے فیصلہ کر لیا تھا ائی ایم سوری دادا جان مجھے آپ سے ایسا رویہ نہیں رکھنا چاہئے تھا ائی لو یو میں دوبارہ کبھی ایسا کچھ نہیں کروں گی میں کبھی آپ سے دور نہیں جاؤں گی آپکو کبھی ہرٹ نہیں کروں گی وہ

روتے ہوئے دادا جان کے سینے سے لے لگی کہے جارہی تھی
 دادا جان نے چند لمحے اسکو محسوس کیا تھا ایک سکون تھا جو انہوں نے
 اپنی رگوں میں اترتا محسوس کیا تھا

بس میرا بیٹا اب بس کر دو اتنا مت روہالے بیٹا بس چند لمحے بعد وہ اسکے
 سر کو چومتے محبت سے کہہ رہے تھے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی ارے
 نہیں زراد دیکھو تو تمہارا میک اپ خراب ہو گیا ہے انہوں نے اپنا آخری
 حربہ آزمایا تھا

اللہ اللہ کیا واقعی اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا تھا اف آپ نے ایموشنل
 کر دیا میں اس کو فکس کرنے جارہی ہوں کیا زیادہ ہی پھیل گیا ہے کا جل ؟
 اس نے جاتے جاتے مڑ کے دیکھا تھا

نہیں اتنا بھی نہیں تم تو ہر حال میں حسین ہی بالکل نگین کی طرح ہالے
 نے بس مسکرا کے انکو دیکھا تھا اور دروازہ کھول کے باہر نکل گئی لیکن
 سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر بری طرح ٹھٹھی تھی

بجو آپ آپ کب آئیں یہاں وہ اپنی حیرت چھپاتی با مشکل بولی تھی
 نرگس (ملازمہ) نے کہا تھا ابا نے کہا ہے میں کافی لے کر سٹڈی کے دروازے
 پر کھڑی رہوں جب تک تم اور ابا اندر ہو جب تم جاؤ گی تب وہ مجھے اندر
 بلا لینگے بالے انہوں نے نہیں بلایا یار اسکی آنکھوں سے آنسو بہ رہے
 تھے اسکی آنکھیں سرخ تھیں پیوٹے سوجے ہوئے تھے ٹرے میں رکھے کافی
 کے مگ اپنی بے قدری پر ماتم کناں
 تھے

آپ نے کچھ سنا ہے ؟ (کیا اس کو یہ پوچھنے کی ضرورت تھی ؟
 مجھے اسی لئے تو بلا یا گیا تھا ہالے وہ چاہتے ہی یہی تھے کہ میں سب
 کچھ سنوں انہوں نے مجھے اس لئے بلایا تھا تا کہ مجھے یاد دلا سکیں کہ
 میں کس کی اولاد ہوں میرا خون کونسا ہے میں اس شخص کی بیٹی ہوں جس
 نے ابا کی محبوب اولاد کو تکلیف دی تھی میرا یہ گناہ نہیں معاف ہو سکتا
 چاہے میں نمازیں پڑھوں تہجد ادا کروں یا زم زم سے دھل کے آجاؤں میرا
 خون نہیں بدل سکتا میں میں نہ جانے کس گمان میں جی رہی تھی کہ ایک
 دن سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن ہالے کچھ ٹھیک نہیں ہو گا آج مجھے یقین
 ہو گیا ہے میں ہمیشہ باپ کی محبت کے لئے ترسوں گی میں کبھی ابا کی
 محبت نہیں حاصل کر سکوں گی پتہ ہے کیوں کیوں کہ یہ میرے " بخت "
 میں نہیں ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے میں نہیں لڑ سکتی اس کے
 آنسو متواتر بہ رہے تھے

ہالے کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا وہ اس سب کو فکس کرنا چاہ رہی
 تھی لیکن یہ مسلہ تو مزید بگڑ گیا تھا وہ ابھی آپ کو بلا لیں گے آپ کو
 غلط لگتا ہے کہ انہوں نے آپ کو یہ سب سننے کو بلایا تھا اس نے تسلی
 دینی چاہی تھی

ہالے ان مگڑ میں دیکھو کیا ہے اس نے ایک بے تکا سوال کیا تھا کافی ہے
 بگو میں دیکھ چکی ہوں بلیک کافی ہے یہ اور ابا کو اس سے سخت چڑ ہے
 وہ مجھے کبھی نہیں بلائیں گے ہالے کبھی نہیں کم از کم اس زندگی میں تو
 کبھی نہیں وہ دکھ سے کہتی ٹرے اسی طرح اٹھائے جانے کو مڑ گئی تھی

پیچھے ہالے نے افسوس سے اس کو دیکھا تھا سب اس کی وجہ سے ہوا تھا
پچھتاوا بہت شدید تھا

وہ اپنے کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے چہرے کو مختلف
زاویوں سے دیکھ رہی تھیں کبھی چہرہ دائیں موڑتیں تو کبھی بائیں کبھی
چہرے کو اوپر اٹھا کر اپنی گردن پہ ہاتھ کو ہاتھ سے چھوتیں تو کبھی آنکھ
کے نیچے پڑنے والے حلقوں کو انگلیوں کے پوروں سے محسوس کرتیں ان
کی یہ کاروائی پچھلے آدھے گھنٹے سے جاری تھی شمس سامنے صوفے پہ
کسی فائل کو دیکھتے ہوئے بیٹھے کئی بار ان کو بھی دیکھ چکے تھے اب ان
کی صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا

فروابس بھی کر دو آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے تمہیں یہاں بیٹھے ہوئے ایسا بھی
کیا نیا ہے تمہارے چہرے میں جس کو تم و : دیکھے ہی جارہی ہو
مجھے لگ رہا ہے میرے حلقے بڑھتے جا رہے ہیں اور یہ تھوڑی کو دیکھو
غور سے یہاں سے سکن لٹکنے لگ گئی ہے دیکھو ذرا وہ اب ان کی طرف
گھوم گئی تھیں

مجھے تو ایسا کچھ نہیں لگ رہا تمہیں تو خامخواہ کا وہم ہو تا رہتا ہے
پچھلے مہینے ہی تو سرجری کروائی تھی تم نے اب یہ نیا شوشاواہ سخت
بیزار نظر آتے تھے

مجھے پتہ ہے تمہیں جو تکلیف اٹھ رہی ہے لیکن تم فکر مت کرو تم سے
پیسے نہیں لوں گی میں میرا بیٹا آگیا ہے اب

تم اپنے باپ اور بھائی کی خیرات اپنے پاس رکھو وہ اب دوبارہ آئینے کی

طرف متوجہ ہو چکی تھیں

جسے تم خیرات کہہ رہی ہو وہ میرے خون پسینے کی کمائی ہے وہ میں کماتا ہوں میرا بیٹا کماتا ہے نہ میں بھائی سے مانگ کر کھاتا ہوں نہ بابا سے دن رات گدھوں کی طرح کام کرتا ہوں میں اور اسی کام کی وجہ سے تم یہ ہر آئے دن سرجری اور پتہ نہیں کون کون سے ٹریٹمنٹ کروا رہی ہوتی ہو اچھا اتنے ہی قابل ہو تو آج تک کیوں نہیں ملا تمہیں پاور آف اٹارنی وہ تو آج تک بھائی صاحب کے پاس ہے ایک چھوٹے سے چھوٹے کام کے لئے تمہیں کیوں اجازت لینی پڑتی ہے؟ کیا تم اپنی مرضی سے کمپنی کا گارڈ بھی بدل سکتے ہو؟ تمہیں تو اس کے لئے بھی بھائی صاحب کی اجازت درکار ہو گی کیوں؟ سہی کہاناں وہ اندر تک جھلسا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی

اگر تمہیں یاد ہو تو کچھ عرصہ قبل بابا نے پاور آف اٹارنی مجھے دے دیا تھا انہوں نے اپنا دفاع کیا تھا

اچھا ایسا ہوا تھا کیا وہ سوچنے کی اداکاری کرنے لگیں اوہ ہاں یاد آگیا مجھے بالکل تمہیں یہ پاور ملی تھی لیکن دو مہینے بعد ہی بابا نے تمہیں ذلیل کر کے یہ پاور پھر سے تمہارے بھائی کو دے دی تھی اور میں بتاؤں کیوں؟ کیونکہ تمہاری ایک غلط ڈیل کی وجہ سے کمپنی کو کروڑوں کا نقصان ہوا تھا بابا تو تمہیں کمپنی میں گھنے بھی نہیں دینا چاہتے تھے اور تب کس نے بچایا تمہیں کس نے بچائی تمہاری ساکھ میں نے میرے اس عظیم دماغ نے میری عقل نے بچایا تمہیں میں نے وہ ساری بات میرے بیٹے کے سر ڈال

دی تھی اور وہ یہ ماننے پہ مجبور ہو گیا کہ یہ اس نے کیا ہے اس نے بابا کے سامنے قبول کیا کہ یہ سکی غلطی تھی اور سفیر کو تو یوسف سلطان کا قتل بھی معاف ہے میں نے اور میرے بیٹے نے بچایا ہے تمہیں وہ اپنے سینے پہ انگلی سے دستک دیتی کہہ رہی تھیں

اس لئے اب تم اپنی قابلیت کے قصے مجھے تو مت ہی سناؤ شمس سلطان وہ نخوت سے کہتی رخ موڑ گئی تھیں جبکہ شمس چند لمحے بے بسی اور خفت سے انکو دیکھتے رہے اور پھر سر جھٹک کر ایک بار پھر اسی فائل کی ورق گردانی میں مصروف ہو چکے تھے انکی آنکھیں فائل پہ جمی تھیں لیکن دماغ وہ کہاں تھا؟